اکبرالٰہ آبادی کا فکروفن

ڈاکٹر جاوید بادشاہ*

Abstract:

Akbar's poetry reflects a specific period of civilization, culture and ethics in India. He has touched those concepts of life which were normally ignored by other poets of that period. He has a unique and informal style which is easily understandable. He has a great sense of social ethics and sometimes his poetry conveys very serious issues in a very light digest able style. He enjoys a unique sense of humor. He tried to point out the drawbacks of Muslims and stressed upon them how to overcome their ills and evils.Akbar's role in educating Muslims against the negative side effects of Western Civilization will be ever remembered.

اکبر اُردو کے ممتاز نظم گو اور صاحب طرز بذلہ سنج شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین غزل گو بھی ہیں۔ مختلف لوگوں نے اپنے اپنے ذوق و پسند کے مطابق ان کے ضخیم مجموعوں سے اشعار منتخب کر کے انتخاب چھپوائے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا انتخاب کلام اکبر ''لسان العصر'' اور کلیات اکبر مطبوعہ فرینڈز پبلشرز کراچی عمدہ ہیں۔

اکبر کے دور میں غزل مقبول ترین صنفِ سخن تھا۔ عصری رجحانات اور طبعی میلانات کے زیر اثر اکبر کو بھی شوق غزل گوئی ہوا۔ شمس قیس رازی نے اپنی کتاب ''المعجم'' میں غزل کو اُس آہوئے صحرائی کی چیخ سے تشبیہہ دی جسے کتوں نے گھیر رکھا ہو۔ عندلیب شادانی نے ''دور حاضر اور غزل گوئی'' میں لکھا کہ غزل میں صرف عشق و عاشقی کی وجہ سے زندہ رہنے کی صلاحیت ہے۔ ماہرین فن کے کلام کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ غزل کے اجزا یہ ہیں:

۱) لب ولہجہ کا دھیمہ پن ۲) افکار و جذبات کا سوز و گداز

* صدر شعبہ اُردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور۔

۳) داخلیت کی چھاپ ۴) اظہارِ عشق و محبت

۵) اختصار ۶) ایمائیت

۷) مضامین کا تنوع ۸) بیساختگی و بے تکلفی

اکبر کا زمانہ بڑا پُر آشوب تھا۔ تصادم، مار دھاڑ اور خون ریزی عام تھی۔ گویا غم آلودہ فضاء نے غزل گوئی کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ انہوں نے دردوغم کی کیفیات اور وحشت وخوف کے احساسات کو اپنے منفرد و مخصوص پیرائے میں بیان کیا۔ مثلاً

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں
شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں
میں تو انگریز ہی سے ڈرتا ہوں

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام۔

اکثر ناقدین نے غزل کو اظہار عشق و محبت کے لئے مخصوص سمجھا۔ اسی لئے مختلف شاعروں کی غزلوں میں عشق و محبت کی سینکڑوں کی تدریجات دکھائی دیتی ہیں۔ اکبر کی غزلوں میں واردات قلبی کے اظہار کے ساتھ محبوب کی خارجیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ مثلاً

اس نے پوچھا ہوگیا آسودہ بوسہ لے کے تو
میں نے ناحق کہہ دیا جلدی میں جی ہاں ہوگیا
اس لب شیریں کے بوسوں نے کیا شیریں سخن
لی زبان انکی جومنہ میں میں زباں داں ہوگیا
رقیبوں نے پہلو دبا یا تو چپ
میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا
بہت ہی بگڑے وہ کل مجھ سے پہلے بوسہ پر
خوش ہوگئے آخر کو تین چار کے بعد

اس شعر سے زندگی کی یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے۔ کہ برائی کے عادی ہوجانے پر احساسِ زیاں باقی نہیں رہتا۔ محبوب کی چالبازیوں کا تذکرہ یوں کیا:

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ
اور جو ملنے جاتا ہوں مرد خدا ملتا نہیں

میر تقی میر نے ''نکات الشعراء'' میں شاعری کو فن شریف قرار دیتے ہوئے شاعر کے لئے لازم قرار دیا کہ وہ زبان لوطیان کے استعمال سے اجتناب کرے۔اس رائے کی روشنی میں دیکھا جائے تو اکبر نے ماسوائے چند اشعار کے اظہار کے مہذب پیرائے ہی اپنائے۔اکبر کی غزلیں صرف گل وبلبل تک محدود نہیں۔ بلکہ زندگی کے مختلف پہلو جذب کئے ہوئے ہیں۔مثلاً مذہبی اقدار سے انحراف کا تذکرہ یوں کیا:

جب سنبھالا اس پری پیکر نے کچھ حسن وشباب
شیعہ سنی ہو گئے ہندو مسلمان ہو گئے

اس شعر میں ''صنعت توجیہہ'' یا ''محتمل الضدین'' کا استعمال ہوا ہے یعنی مختلف ومتضاد مراد لئے جا سکتے ہیں۔اسی طرح ایک جگہ کہا:

جب کہا پیار آتا ہے مجھ کو تم پر
ہنس کے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے
قول بابو ہے کہ جب بل پیش ہو
پیش حاکم بلبلانا چاہیے

بقول آل احمد سرور ادب لطافت کی چیز ہے۔اور اکبر کی غزلوں میں بیشک ایمائیت کی لطافت پائی جاتی ہے:

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا
آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے
رنگ اڑانا اہل یورپ کا تو ہے اکبر محال
مفت اپنے آپکو تم نے تماشا کر دیا
اللہ نے دی ہے جو تمہیں چاند سی صورت
روشن بھی کرو جاکے سیاہ خانہ کسی کا
ان سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی

غیروں ہی سے دل کھول کے اب جنگ کرینگے
تم ناک چڑھاتے ہو مری بات پہ اے شیخ
کھینچوں گا کسی روز میں اب کان تمہارے

اکبر کی غزلوں میں میر جیسی بھی داخلیت نہیں کہ:

میں طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہوں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرتے ہے

بلکہ داخلیت اور خارجیت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے. بحر زندگانی کے تھپیڑے کھاتے کھاتے جب اکبر کے دل کی کشتی بڑھاپے کے ساحل پر لنگر انداز ہوئی تو فکر میں پختگی آئی۔ اب انہوں نے غزل گوئی سے کنارہ گیر ہو کر طبعی میلان کے عین مطابق نظم نویسی شروع کی۔ تو ان کے اصلی جوہر کھلے۔ اب انہوں نے فن اور اپنی ذات کے درمیان تعینات کے سارے پردے ہٹادئے۔ اور اپنی زندگی کو معاشرے میں ضم کر کے ملت کے جذبات واحساس کو نظم کے سانچوں میں اس خوبی سے ڈھالا کہ قاری خیالات کی شگفتگی اور افکار کی خوشبو سے جھوم اٹھتا ہے۔ مثلاً

صنم کے عشق میں پڑ ہی چکے تھے عقل پر پتھر
مسوں کے بے تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا
نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یارانِ خود آرا
صلوٰۃ ہے وضو سے رو رہی ہے اس طرف مسجد
اِدھر قرآن بے رغبت سے دل مذہب کا سی پارہ

یوں اکبر نے اپنی نظموں میں مسلمانوں کے زوال اور تنزل کے اسباب ہی نہیں گنوائے۔ بلکہ اصلاح احوال کے گُر بھی بتائے۔

ہمارے حکمراں تو چرچ میں سرگرم طاعت ہیں
تو ہم بندے سے پھریں کیوں دشتِ بے دینی میں آوارہ

اخلاقی اقدار کا احیاءعلم وہنر کے حصول کی ترغیب۔ مغربی تہذیب سے بیزاری اور اسلامی تشخص کی برقراری اکبر کی نظموں کے مرکزی موضوعات ہیں۔ انکی نظموں کی عمارت کے یہی چار ستون ہیں:

کون کہتا ہے کہ قوم انگلش کا نہ ہو دل سے مطیع
کون کہتا ہے نہ کر الفت ولسن پیدا
کو ن کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرتِ لندن پیدا
بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول
راہ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا
مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی
یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

اکبر کی نظمیں ان کے گہرے سماجی شعور کی آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ انکے ظریفانہ پیرایۂ اظہار کی عکاس بھی ہیں۔ اکبر کے مزاج کی ظرافت نے اپنی نظموں میں مزاح کی قوس وقزح کے ایسے رنگ بھرے کہ ہر کوئی عش عش کر اٹھا۔

ارسطو نے اپنی کتاب Poetic میں کہا کہ ایسے آنسو جن سے دلی کدورتیں دھل جائیں۔Blessing ہیں بلاشبہ کلام اکبر کے مطالعے سے دل کی کدورتیں دھل کر ہونٹوں پر مسکراہٹوں کے ستارے چمک اٹھتے ہیں۔ دراصل کلام کو ظریفانہ بنانے کے تین ہی طریقے ہیں۔

۱) تضاد سے ۲) واقعات کے بیان سے

۳) رعایت لفظی یا الفاظ کے الٹ پھیر سے

اکبر نے ان تینوں طریقوں کو برتا۔ کبھی الفاظ کے الٹ پھیر سے کلام کو مزاحیہ بنایا کبھی تضاد سے کام لیا اور کبھی واقعات کے بیان سے مزاح کا رنگ ابھارا۔ مثلاً

مسلمانوں کی جدید علوم وفنون سے بے رغبتی اور ہوس پرستی کے غلبے کی نشاندہی ایک واقعہ کے بیان سے یوں کی۔

کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے
کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس

کہا مجنون نے یہ اچھی سنائی
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی
مجھے سمجھا ہے کوئی ہر چرن داس

علاوہ ازیں اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔کہ جدید علوم وفنون کا پرستار تو ہندو ہے۔(یادرہے کہ ہر چرن داس ہندو کا نمائندہ ہے جب کہ مجنون مسلمان کا استعارہ ہے)اسی طرح ایک نظم میں واقعہ کے مزاحیہ انداز بیان سے تہذیب مغرب کے پرستاروں کو نشانہ بناتے ہوئے۔اک مس سیمیں بدن سے لندن جا کر عقد کرنے کا واقعہ یوں بیان کیا۔

ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش
لیڈیوں سے مل کے دیکھو انکے انداز وطریق
ہال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو ان سے تاش
بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم پہ خم
ایشیا کے شیشہ وتقوٰی کو کر دو پاش پاش
جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہوگیا
جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر ارتعاش
سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش جادو نظر
یاں جوانی کی امنگ اور انکو عاشق کی تلاش
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برق بلا
دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش

متضاد الفاظ کے استعمال سے تضاد کی کیفیات پیدا کر کے دانائی وزیرکی کا اظہار بھی اکبرہی کا حصہ ہے۔مثلاً

شوقِ لیلائے سول سروس نے اس مجنون کو
اتنا دوڑا یا لنگوٹی کر دیا پتلون کو
ایک کا حصہ من وسلوٰی ایک کا حصہ تھوڑا حلوہ

افسوس سفید ہوگئے بال ترے
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے

شبلی نعمانی نے موازنۂ انیس ودبیر میں لکھا کہ ''اگرچہ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ بعض صنائع ایسے بھی ہیں کہ اگر بے تکلفی سے آجائیں تو کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔لیکن عام حالت یہ ہے کہ اکثر صنائع و بدائع شاعری اور انشاپردازی کا دیباچۂ زوال ہیں۔'' گویا صنائع و بدائع اگر بلاقصد بے تکلفی سے کلام میں آجائیں تو ان سے افزائش حسن ہوتی ہے۔اکبر نے اپنی نظموں میں ''صنعت الہزل الذی یراد بہ الجد'' (جد کا مطلب دانائی ہے) کا استعمال بڑی بے تکلفی سے کیا۔اس صنعت کا مطلب یہ ہے۔کہ کلام بظاہر ہزل معلوم ہو لیکن حقیقت اسمیں کوئی نصیحت موجود ہو۔مثلاً یہ شعر:

تو بھی گریجوایٹ میں بھی گریجوایٹ
علمی مباحثے ہوں میرے پاس آکے لیٹ

بظاہر فحش معلوم ہوتا ہے۔لیکن دراصل مغربی تعلیم وتہذیب کے نتیجے میں پنپنے والی بے حیائی کی نشاندہی کر کے تعلیمات جدیدہ پر چوٹ کی ہے۔اسی طرح چند مثالیں اور

مِس کو دیکھا عاشق زلفِ چلیپا ہو گیا
مست تھا دل پھول کر وہسکی کا پیپا ہوگیا
دکھائی فلسفہ مغربی نے وہ مردی
کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا
بوقتِ ختنہ میں رویا تو نائی نے کہا ہنس کر
مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے
دن تو جنات کی خدمت میں بسر ہوتا ہے
رات پریوں کی خوشامد میں گزر جاتی ہے
شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہہ دیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے
ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پری زاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

اکبر کی نظمیں بہترین مزاحیہ ادب کی امین ہیں۔ مزاح نگاری آسان کام نہیں۔ اس کے لئے ہمدردی اور اصلاح احوال کے جذبات ضروری ہیں۔ مزاح دردمندی کی کوکھ سے ہی جنم لیتا ہے۔ اکبر نے اپنی نظموں میں مسلمانوں کی فکری اصلاح، مادی ترقی اور اسلامی اقدار کے احیاء کے لئے انکی کجریوں کو نشانہ بنایا۔ قومی تشخص مٹانے والوں پر طنز کیا۔ مغربی تہذیب کے مسموم اثرات پر وار کیا۔ اکبر کی نظمیں شوخی اور ظرافت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہیں۔ یہ ذہن کی کشادگی اور قلب کی تسکین کا گرانقدر سرمایہ ہیں۔

مآخذات

۱۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، ۱۹۶۵ء کے بہترین مقالے، لاہور، البیان پبلشرز انارکلی، ۱۹۶۶ء

۲۔ شبلی نعمانی، موازنہ انیس و دبیر لکھنؤ، الناظر پریس واقع، ۱۹۲۴ء

۳۔ عندلیب شادانی، دورِ حاضر اور غزل گوئی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۱ء

۴۔ کلیاتِ اکبر، فرینڈز پبلشرز، لاہور، مکتبہ شعر و ادب، س ن

۵۔ میر تقی میر، نکات الشعراء، مرتبہ: مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء

۶۔ طاہر فاروقی، فصاحت و بلاغت، پشاور، یونیورسٹی بک ایجنسی، مارچ ۱۹۵۹ء